© rasailojaraid.com

عہدِ وسطیٰ کا ایک زبردست فلسفی

سپینوزا

(۲)

(از جناب طفیل عبدالرحمٰن صاحب بی۔اے)

ذہانت اور اخلاق (Intelligence & Morals.) بنیادی طور پر دنیا میں اخلاقیات کے صرف تین نظام ہیں جو معیاری کیرکٹر اور اخلاقی زندگی کے الگ الگ راستے بتاتے ہیں، ایک نظام مہاتما بدھ، اور حضرت مسیحؑ کا ہے جو نسوانی اوصاف پر زور دیتا ہے، سب انسانوں کو مساوات کے رشتہ میں پرونا چاہتا ہے بدی کا بدلہ نیکی سے دینا سکھاتا ہے، اور سیاسی زندگی میں انتہائی طور پر جمہوریت پسند ہے۔ اخلاقیات کا دوسرا نظام میکاویلی اور نٹشے نے پیش کیا۔ جو مردانہ اوصاف پر زور دیتا ہے۔ انسانوں کی تفریق کو تسلیم کرتا ہے۔ جنگ، فتح اور حکمرانی کے خطرات کا دلدادہ ہے، طاقت کو نیکی شمار کرتا ہے اور موروثی اشرافیہ کو وقعت دیتا ہے۔ تیسرا نظام، سقراط، افلاطون اور ارسطو کا ہے، جو زنانہ یا مردانہ اوصاف کے عالمگیر اطلاق کا منکر ہے اور اس اصول کا قائل ہے کہ صرف پختہ اور باعلم دماغ کا انسان ہی اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ مختلف حالات میں کس وقت محبت کی حکومت ہونی چاہیئے اور کب طاقت کو برسرِ اقتدار آنا چاہیئے۔ وہ عقل اور فہم کو نیکی خیال کرتا ہے اور حکومت کے اندر جمہوریت اور اشرافیہ کے ایسے امتزاج کا حامی ہے جو حالات کے مطابق ہو۔

سپینوزا کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کا نظامِ اخلاقیات غیر شعوری طور پر ان تینوں فلسفوں کو جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتے ہیں۔ ہم آہنگ اور موافق بنا دیتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہمیں اخلاقیات کا ایک ایسا نظام دیتا ہے جو علمِ جدید کا بلند ترین کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔

فلسفۂ مسرت | وہ مسرت کو انسانی اطوار کا منتہا ٹھہراتا ہے۔ اور نہایت سادہ الفاظ میں ہمیں بتاتا ہے کہ مسرت انبساط کی موجودگی اور دکھ کی عدم موجودگی کا نام ہے۔ لیکن انبساط اور دُکھ مطلق اور مستقل احوال نہیں بلکہ اضافی تبدیلیاں ہیں " انبساطِ انسانی تکمیل کی کمتر حالت سے بہتر حالت کی طرف بڑھنے کا نام ہے۔ دکھ انسانی تکمیل کی بہتر حالت سے کمتر حالات کی طرف لوٹنے کو کہتے ہیں۔ مسرت ہماری قوت کی زیادتی میں مضمر ہے۔ ہمارے تمام جذبات قوت اور تکمیل کی منزل کی شاہراہیں ہیں۔ اور ہمارے تمام احساسات اسی منزل کی طرف آمدورفت کی حرکات ہیں"

"احساس سے میری مراد ایسی جسمانی تبدیلیوں اور ان تبدیلیوں کی آگاہی سے ہے جو ہمارے جسم کی عملی قوت کو بڑھاتی یا گھٹاتی اور اس کی معاون یا مزاحم ہوتی ہیں"

ہمارا کوئی جذبہ یا احساس بذاتِ خود اچھا یا بُرا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی اچھائی یا بُرائی ہماری قوت کو بڑھانے یا گھٹانے پر منحصر ہے۔ اس کے خیال میں اچھائی اور قوت ایک ہی ہیں، اچھائی عمل کی استعداد اور صلاحیت کی ایک صورت ہے" انسان جتنا زیادہ اپنی ذات کو برقرار رکھ سکتا ہے اور جس حد تک اُن اشیاء کا متلاشی رہتا ہے جو اس کے لئے مفید ہیں، اتنا ہی زیادہ وہ نیک ہوتا ہے"

اس کا خیال تھا کہ خودبینی (Egoism.) انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور ہماری جبلّتِ حفظِ نفس کا لازمی نتیجہ۔ اسی لئے وہ اپنے نظامِ اخلاقیات کی بنیادیں نہ تو خیال پرست مصلحوں کی طرح ایثار پر رکھتا ہے۔ نہ خشک مزاج رجعت پسندوں کی طرح خودغرضی اور انسان کی فطری خباثت پر، بلکہ لازمی اور صحیح " خودبینی " پر اس کے خیال میں وہ نظامِ اخلاقیات جو انسان کو کمزور بننے کا سبق دیتا ہے۔ کسی کام کا نہیں" اپنی ذات کو برقرار رکھنے کی کوشش ہی نیکی کی بنیاد ہے اور انسانی مسرت کا انحصار اسی کوشش کی کامیابی پر ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نٹشے کی طرح سپینوزا بھی "انکساری" کو مفید نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ یا تو کسی سازش پسند کی منافقت ہوتی ہے یا کسی غلام کی بزدلی۔ اور دونوں صورتوں میں قوت کی عدم موجودگی کو ظاہر کرتی ہے۔ بلکہ سپینوزا کے نزدیک سب نیکیاں قوت اور اہلیت ہی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ "پشیمانی" کو بھی نیکی کی بجائے برائی خیال کرتا ہے، کیونکہ جو شخص پشیمان ہوتا ہے اس کی غمگینی اور کمزوری دوچند ہو جاتی ہے۔ اور اگرچہ وہ "انکساری" کو ناپسند کرتا ہے۔ لیکن حیاداری کو سراہتا ہے۔ اور اس تکبّر کا مخالف ہے۔ جس کی بنیاد عمل پر نہ ہو۔ غرور انسانوں کو ایک دوسرے کے لئے وبالِ جان بنا دیتا ہے۔ کیونکہ مغرور آدمی صرف اپنے کارہائے نمایاں اور دوسروں کی محض بدکاریوں کو بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں بیٹھکر بہت خوش ہوتا ہے جو اس کے کمالات اور کارناموں کا تذکرہ سن کر تعجب اور حیرانگی کا اظہار کرتے ہیں اور بالآخر جو اُس کی سب سے زیادہ تعریف کرتے ہیں وہ اُنھیں کے دامِ تزویر میں پھنس جاتا ہے کیونکہ مغرور آدمیوں سے زیادہ کوئی خوشامدیوں کے دہوکہ میں نہیں آتا۔

یونانی فلسفہ کا اثر سپینوزا کے فلسفۂ اخلاق میں عیسائیت کی بجائے یونانیت کی روح زیادہ جھلکتی ہے "جاننے اور سمجھنے کی کوشش بھلائی کی پہلی اور آخری بنیاد ہے"۔ اس کا یہ فقرہ سقراط کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم اس وقت مکمل طور پر اپنے آپ میں ہوتے ہیں۔ جب کسی جذبہ کے زیرِ اثر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ہم اس وقت ہی انتہا طور پر مغلوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ جذبہ خیال کی نامکمل اور ناکافی صورت ہے۔ اور صورتِ حالات کے ایک ہی پہلو پر زور دیتا ہے۔ صرف عقل اور فکر ہی صورتِ حالات کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو سکتے ہیں گو طبعی اعمال (Instinctive Actions) محرک قوتیں ہونے کے لحاظ سے بہت شاندار ہیں۔ لیکن ان کو راہنما بنانا بہت خطرناک ہے۔

سپینوزا یہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ جس طرح جذبات عقل کی بصارت کے بغیر اندھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عقل جذبات کے جوش کے بغیر مردہ ہوتی ہے اس کا خیال ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر ایسا نہ ہو تو ان کی ذہنی نشو ونما بند ہو جاتی ہے۔ اور قوم مردہ ہو کر رہ جاتی ہے اس لئے وہ تعلیم کو ریاست کے حلقۂ اقتدار سے باہر رکھنا چاہتا ہے۔" جو تعلیمی ادارے حکومت کی طرف سے قائم کئے جاتے ہیں وہ انسان کی صلاحیتوں کو ترقی دینے کی بجائے انھیں آگے بڑھنے سے روکتے ہیں لیکن ایک آزاد قومی جمہوریت میں اگر ہر شخص کو جو اس کی طبیعت چاہے اپنے خرچ اور ذمہ داری پر پبلک میں پڑھانے کی آزادی مل جائے۔ تو علوم و فنون بہتر اور زیادہ مکمل طور پر حاصل کئے جا سکتے ہیں"۔

اگر کسی حکومت میں مندرجہ بالا سہولتیں حاصل ہوں تو ریاست کی ہیئت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ البتہ وہ جمہوریت کو خفیف سی ترجیح دیتا ہے۔" ہر قسم کی حکومت کو اس طریق پر ڈھالا جا سکتا ہے کہ ہر شخص جمہوری حقوق کو نجی سہولتوں پر مقدم سمجھے"۔

جمہوری حکومت اس کے خیال میں جمہوریت، طرزِ حکومت کی معقول ترین صورت ہے کیونکہ اس کے اندر اگرچہ ہر شخص اپنے آپ کو حکومت کے اقتدار کے تابع کر دیتا ہے۔ لیکن اپنی رائے اور اپنے ذہن کو آزاد رکھتا ہے۔ اس جمہوریت کی بنیاد عام فوجی خدمت پر ہونی چاہئے۔ اور شہریوں کو زمانۂ امن میں بھی ہتھیار رکھنے کی اجازت ہونی چاہئے۔" اراضی۔ کھیت اور (اگر ممکن ہو سکے) مکانات حکومت کی ملکیت ہونے چاہئیں جو شہریوں کو ایک خاص سالانہ لگان پر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ زمانۂ امن میں اور کسی قسم کا ٹیکس عائد نہ کیا جائے"۔ لیکن جمہوریت میں یہ نقص ہے کہ اس کے اندر اوسط درجہ کے آدمیوں کے برسرِ اقتدار آجانے کا اندیشہ ہے۔ جس کا علاج یہ ہے کہ عہدے صرف تربیت شدہ مہارت رکھنے والوں ہی کے لئے وقف ہونے چاہئیں۔ اعدادِ شمار دانائی کا معیار نہیں ہو سکتے ہے کہ "از مغز دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید" اور نہ بذاتِ خود کوئی اہمیت رکھتے ہیں بلکہ ایسی حالت میں حکومت کے عہدے چاپلوس اور جی حضوریوں کو سونپ دیئے جاتے ہیں۔ خواہ ان کی اصلی قابلیت صفر کے برابر ہی ہو۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ چرب زبان اور بازاری مقرر عوام کے جذبات پر قابو پا کر قائد بن بیٹھیں۔ اور اعلیٰ تربیت اور قابلیت کے انسان "انتخابات" (Election) کی شرمناک جنگ میں شریک ہونا اور جاہل عوام کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے ہاتھ پھیلانا پسند ہی نہ کریں۔ ایسی صورت میں کبھی نہ کبھی اعلیٰ صلاحیتوں کے انسان (خواہ وہ اقلیت میں ہی کیوں نہ ہوں) ایسے نظام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہیں اسی لئے اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ جمہوریت' اشرافیہ (Aristocracy) میں اور اشرافیہ بادشاہت (Monarchy) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عوام سختی کو ابتری پر ترجیح دیتے ہیں"۔ انسان فطری طور پر غیر مساوی واقع ہوئے ہیں۔ اور غیر مساوی عناصر میں مساوات تلاش کرنا محض بے وقوفی ہے"۔

جب سپینوزا اس کتاب کا باب جمہوریت لکھ رہا تھا تو اس کا قلم ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا کون کہہ سکتا ہے کہ قضا و قدر اگر اسے کچھ اور مہلت دیتے۔ تو کتنے شاہکار اس کے ذہن سے پیدا ہوتے۔ کیونکہ اتنی تھوڑی عمر میں بھی اس نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ اس قابل ہے کہ

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے ۔۔۔ جو لفظ کہ غالب مری گفتار میں آوے

سپینوزا کی تحریروں نے یورپ کے سب بڑے بڑے فلسفیوں کو متاثر کیا ہے۔ گوئٹے ہیگل۔ شوپنہار۔ نیٹشے۔ برگسان۔ کولرج۔ ورڈس ورتھ۔ شیلے۔ بائرن۔ جارج ایلیٹ، اور ہربرٹ سپنسر۔ سب پر اس کے خیالات نے خاص طور پر اثر ڈالا ہے۔ کسی نے حکمت کے متعلق جو کچھ کہا ہے ہم سپینوزا کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں "جس طرح اولین انسان اس کو مکمل طور پر نہ سمجھ سکا۔ اسی طرح آخری انسان بھی اس کے متعلق کچھ نہ جان سکے گا۔ کیونکہ اس کے خیالات کی وسعت محیطِ بیکراں سے بھی زیادہ اور ان کی گہرائی سمندر سے عمیق تر ہے"۔

چوں رختِ خویش بربستم ازیں خاک ۔۔۔ ہمان گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس نداںست ایں مسافر ۔۔۔ چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود (اقبال)

(ماخوذ از ڈیورنٹ ول)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُور

از جناب میر جہانگیر علی خاں صاحب لکچرر گلبرگہ کالج دکن۔

برہان دہلی بابت ماہ مارچ ۱۹۴۵ء میں "لاہور کی ایک وجہ تسمیہ" کے عنوان سے میجر خواجہ عبدالرشید صاحب آئی۔ ایم۔ ایس کا ایک مفید مضمون شائع ہوا ہے جس میں آپ نے لاہور کو دو لفظوں "لاہ" اور "اُور" سے مرکب بتلایا ہے۔ مولانا[1] حمیدالدین فراہی مرحوم کی تحقیق کی بنا پر "لاہ" کے معنی آپ نے اللہ کے لکھے ہیں اور اپنی تحقیق میں "اُور" کے معنی بیت کے تحریر فرمائے ہیں اور لاہور کو انہی دو لفظوں سے مرکب مان کر اس کے معنی بیت اللہ کے لکھے ہیں۔

میرے نزدیک خواجہ صاحب کی یہ تحقیق قرینِ قیاس اور دل کو لگتی ہوئی ہے اور اسی کی تائید میں چند سطر اپنے محدود علم کی حد تک سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

خواجہ صاحب کی تحقیق کے لحاظ سے لاہور باب ایل کا مرادف ہے۔ ایل سریانی میں اللہ کو کہتے ہیں۔ کثرت استعمال سے باب ایل، بابِل ہو گیا جو قدیم شاہانِ عراق کا پایۂ تخت تھا۔ باب دروازہ کو کہتے ہیں۔ باب ایل کے معنی ہوئے اللہ کا دروازہ۔ یہ شہر قرنہا قرن سے ایک ٹیلہ کی شکل میں مدفون تھا اور لوگ اس کو قلعۂ نمرود کہتے تھے۔ اس کے کھنڈرات کھود کر نکالے گئے ہیں۔ اور اس کا منارۂ بابل اب تک موجود ہے۔ یہی ایل کا لفظ بیت المقدس کے قدیم نام

---

[1] مولانا فراہی سے اس خاکسار کو بھی فخر تلمذ حاصل ہے جبکہ وہ ریاست حیدرآباد میں دارالعلوم کے آخری اور جامعہ عثمانیہ کے پہلے پرنسپل تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایلیا[۵۱] میں بھی پایا جاتا ہے۔

زمانۂ قدیم میں ہر بڑے شہر میں دیوی دیوتا کا ایک مقدس مندر ہوتا تھا اور اسی مفہوم کے تحت بڑے بڑے مقدس شہروں کا نام یا تو اس دیوتا کے نام پر رکھا جاتا تھا جیسے بعلبک اور سومناتھ وغیرہ یا پھر اللہ کے نام پر اس کا نام باب اللہ رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی اس کا مترادف ہردوار ہے جو ہندوؤں کا بہت بڑا تیرتھ ہے "ہر" وشنو[۵۲] کو کہتے ہیں اور دُوار کے معنی دروازہ کے ہیں، یہاں وشنو کے نام کا بہت بڑا مندر ہے۔

باب کے معنی اگرچہ دروازہ کے ہیں مگر مجازاً (جز کہکر کل مراد لینا) گھر اور مزید توسیع کر کے شہر کے معنی بھی لے سکتے ہیں اس لئے کہ دروازہ گھر ہی کا ہوتا ہے اور شہر نام ہے گھروں ہی کے مجموعہ کا۔ اور اگر خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق لاہور کا تحت اللفظ ترجمہ " اللہ کا آباد کیا ہوا " ہو تو اس صورت میں یہ الہ آباد کا ہم معنی ہوا۔ مغل اعظم اکبر نے الہ آباد کے نام سے پریاگ[۵۳] کے مفہوم کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

خلیج کچھ پر سمندر کے کنارے دُوار کا ہے اس میں بھی وہی تقدس کا مفہوم ہے اس لئے کہ یہ شہر کرشن جی مہاراج کا آباد کیا ہوا تھا دوارکا کے معنی چھوٹا دروازہ۔ علیٰ ہذا اس کے اور جنوب میں دُوار سمُدَر ایک اور بڑا تیرتھ ہے۔ "سمُدر" سمندر کو کہتے ہیں اس کے معنی ہوئے سمندر کا دروازہ۔ ان مثالوں سے مجھے باب کا ہم معنی لفظ دوار اور پھر اس میں تقدس و عظمت کا مفہوم ثابت کرنا تھا۔

اُور | اب میں لفظ اُور پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ زبان کے لحاظ سے ریاست حیدرآباد دکن کے

۵۱۔ ایلیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب بھی ہے ۔۔۔ ۵۲۔ وشنو حقیقت میں خدا کی صفت کا ایک مظہر ہے۔ وشنو کا کام ہے عالم کی بقا و قیام کی نگرانی اور دیکھ بھال ۔۔۔ ۵۳۔ پریاگ ایک مرکب لفظ ہے "پر" کے معنی جلدی اور یاگ کے معنی چلنا یعنی جلدی جانا۔ چونکہ یہ گنگا و جمنا جیسے پوتر دریاؤں کا سنگم ہے اس لئے یہاں جو اشنان کرے وہ جلد از جلد پرلوک اور پرماتما تک پہنچے۔ ۵۴۔ بعض لوگ لاہور کو بھی اس لئے مقدس سمجھتے ہیں کہ یہ رامچندر جی کے بیٹے لَو کا آباد کیا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ اصل میں "لَو اُور" تھا جو بگڑ بگڑا کر لاہور ہو گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقل کو جذبات کی کشمکش پر آمادہ کرنے کی بجائے ایسی کشمکش کے ذریعے جس میں راسخ ترین اور قدیم ترین عنصر ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ ہمیں معقول جذبات سے غیر معقول جذبات کا مقابلہ کرنا چاہیئے، جس طرح عقل کو جذبات کی حرارت کی ضرورت ہے اسی طرح جذبات کو عقل کی روشنی کی حاجت ہے۔ جب ہم کسی جذبہ کا مکمل ادراک کر لیتے ہیں تو وہ جذبہ جذبہ نہیں رہتا کیونکہ ہمارا ذہن صرف اس وقت تک جذبات سے متاثر و مغلوب ہوتا ہے جب تک ہم عقل کی روشنی میں ان جذبات کی حقیقی ماہیت کو نہیں سمجھتے۔ اس طرح ہماری خواہشات جب ناکافی اور ناکمل افکار کے اثر سے ابھرتی ہیں جذبات کی حدوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتیں لیکن جب مکمل افکار سے پیدا ہوتی ہیں تو نیکیوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور نیک اعمال ہی دانشمندانہ رویہ ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ بالآخر فہم و فراست ہی سب نیک اعمال کی جگہ لے لیتے ہیں۔

جذبات سے مغلوب ہونا انسان کی غلامی اور معقولیت سے کام لینا اس کی آزادی ہے اور علم اس آزادی کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ جب ہم کسی جذبہ کو اچھی طرح سے سمجھ لیتے ہیں تو ہم اس سے آزاد ہو جاتے ہیں" جو انسان عقل کی رہنمائی میں اپنے لئے مفید اشیار کی تلاش کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی باقی سب انسانوں کے لئے بہتر سمجھتے ہیں" ہماری فضیلت اس میں نہیں کہ ہمارا درجہ دوسرے انسانوں سے اونچا ہو، اور ہم اُن پر حکومت کریں۔ بلکہ فضیلت اس میں ہے کہ ہم جاہلانہ خواہشات کی پاسداری اور لغویت سے بالاتر ہو کر اپنی ذات پر غالب رہیں سے

چوں خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است به خود خزی؟ و محکم چوں کوہساراں زی

وہ فلسفۂ جبر کا قائل ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہی وہ کبھی ٹل نہیں سکتا۔ تو ہم دوسروں پر خفا ہونے یا ان سے نفرت کرنے کو بالکل نامعقول سمجھنے لگتے ہیں۔ اور رواداری ہمارے اطوار کا خاصہ بن جاتی ہے۔ پردۂ غیب سے جو کچھ ظہور میں آتا ہی وہ ہمارے موافق ہو یا مخالف ہم اُسے خندہ پیشانی اور امن و سکون سے قبول کرتے ہیں۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذبات کی متلون اور پست مسرتوں سے غور و فکر کی سنجیدہ بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں سے تمام اشیاء اور واقعات ایک دائمی نظام اور ابدی ارتقا کی کڑیاں معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا فلسفہ ہمیں زندگی بلکہ موت کو بھی خوش آمدید کہنا سکھاتا ہے۔" ایک آزاد انسان موت کے متعلق بہت کم سوچتا ہے اور اپنی فراست موت کے متعلق نہیں بلکہ زندگی کے متعلق غور و فکر کرنے میں صرف کرتا ہے"

مذہب اور حیاتِ ابدی

سپینوزا کے خیال میں ہم سب اسباب و علل اور قوانینِ فطرت کے بحرِ بیکراں میں چھوٹے چھوٹے قطروں کے مانند ہیں اور ہماری ایک دوسرے سے ظاہرا علیحدگی محض ایک دھوکا ہے۔ ہم اپنے سے بڑی اور غیر فانی ہستی کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں۔ ہم بھی خدا تعالے کی ذات ہی کے حصے ہیں۔ ہمارے اجسام نوعِ انسانی کے جسم کے خلئے ہیں۔ اور خود نوعِ انسانی زندگی کے بڑے ڈرامہ کا ایک ایکٹ ہے۔ اور ہمارے اذہان ایک ابدی روشنی کی جھلکیاں ہیں اور انسان کی سب سے بڑی نیکی اس اتحاد کا علم ہے جو ہمارے ذہنوں اور باقی کائنات میں ہے ایک غیر فانی ہستی کے ٹکڑے ہونے کی بنا پر ہم بھی غیر فانی ہیں۔" انسان کا من بھی اس کے تن کی موت کے ساتھ قطعی طور پر فنا نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا کچھ حصہ غیر فانی ہے۔"

سپینوزا جزا اور سزا کے مسئلہ کا بھی قائل نہیں ہے۔" وہ لوگ جو اس امید پر نیکیاں کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انھیں اُن نیکیوں کا بہت بڑا اجر دے گا۔ نیکیوں کی صحیح قیمت کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ نیکیاں بھی خدا کی سب سے بڑی غلامی ہیں۔ نیکیاں اور خدا کی اطاعت بذاتِ خود اعلیٰ ترین مسرت اور آزادی ہیں۔ خدا کی رحمت اور توفیق کسی نیکی کا اجر نہیں بلکہ خود نیکی ہے۔"

اس کی کتاب "اخلاقیات" ان شاندار الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔

"مجھے جو کچھ ذہن کی آزادی اور اس کے جذبات پر قابو پانے کے متعلق کہنا تھا۔ کہہ چکا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک عالم انسان ایک جاہل آدمی سے جو اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔ کتنا بلند اور کس قدر زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک جاہل آدمی کو خارجی اسباب کئی طریق سے

© rasailojaraid.com